# عہد نبوی کی جنگیں

تاریخ اسلام سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ جب محمد کریم ﷺ نے انسانیت کی فوز وفلاح کا بیڑا اٹھایا اور اہل مکہ سے ابتدا کی تو چند سعید روحوں کو چھوڑ کر مکہ کے تمام باسی آپ کے دشمن بن گئے۔ حالانکہ قبل از دعوی نبوت چالیس سال زندگی کے ان میں گزارے اور وہ آپ کی صداقت، راست گوئی، امانت ودیانت اور خوش خلقی کی گواہی دیتے تھے۔

لیکن جیسے ہی ان کے سامنے توحید کی دعوت رکھی اور بتوں کی پوجا پاٹ سے منع کیا تو وہ آپ (ﷺ) کی جان کے درپے ہوئے اور مذاق اڑایا۔ جواباً پیغمبر اسلام (ﷺ) نے ان سے نفرت نہیں کی بلکہ دل کی گہرائیوں سے بھلا چاہا اور انہیں گمراہیوں کی دلدل سے نکالنے کی بھرپور کوشش کی۔

اس جدوجہد میں آپ کو کوسنے دیئے گئے، راستے میں روڑے اٹکائے گئے، کانٹے بچھائے گئے، زخمی کر دیا گیا حتیٰ کہ جان لینے کی سازش ہوئی۔ باوجود اس کے بھی لیل ونہار اسی فکر میں رہے کہ انہیں حق سمجھ میں آجائے اور بتوں کے یہ پجاری، جنت الٰہی کے راہی بن جائیں۔ ان کی اسی رنجیدگی کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۔

''شاید آپ اپنے آپ کو ان کی خاطر، اس بات پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہلاک کر لیں گے۔''[1]

ایک اور جگہ فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔

''شاید تم اپنے آپ کو ہلاک کرنے والے ہو، اس لئے کہ وہ مومن نہیں ہوئے۔''[2]

آپ (ﷺ) کی اسی جہد مسلسل اور حرص نے ان کے ظلم وستم اور زیادتیاں برداشت کرنے میں تعاون کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جری بہادر اور نڈر لوگ بھی شامل ہو چکے تھے۔ اپنے اسلامی بھائیوں کو خون میں لت پت دیکھ کر ہر غیرت مند وغیور شخص کی طرح ان کا خون بھی کھول اٹھتا اور دربار نبوی میں آ کر مقابلہ کی اجازت طلب کرتے لیکن...... آپ انہیں یہ کہہ کر خاموش کروا دیتے کہ ابھی اجازت نہیں ہے۔ مظالم سے تنگ آ کر مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو قریش مکہ اپنے شکار کے بچ نکلنے پر پریشان ہوئے اور انہیں مکہ واپس لانے کے لئے حبشہ جا پہنچے مکہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کا اذن ملا تو کفار نے روکنے کی بھرپور کوشش کی۔

پیغمبر اسلام (ﷺ) اپنے دست راست سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ کوچ کر گئے تو قریش نے آنحضرت (ﷺ) کو پکڑ لانے والے کے لئے گراں قدر انعام مقرر کیا خواہ آپ (ﷺ) باقیدِ حیات ہوں یا بلا قید حیات۔

مسلمان جب مدینہ میں آباد ہو گئے تو کبھی انہیں دھمکی آمیز خطوط لکھے کہ تم ہماری رسائی سے دور نہیں ہو۔ ہم مدینہ آ کر تمہیں تہ تیغ کر سکتے ہیں اور کبھی یہود اور منافقین کو خطوط لکھ کر مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتے کہ تم نے اگر انہیں ختم نہ کیا تو ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے، تمہاری عورتوں کو باندیاں اور تمہارے بچوں کو غلام بنا لیں گے۔

---

[1] الکہف ۶/۱۸۔ [2] الشعراء ۳/۲۶۔

الغرض کفارِ مکہ نے مسلمانوں کو مدینہ میں بھی چین سے نہ رہنے دیا۔ چنانچہ کفار مکہ کی سرمستیاں جب تمام حدود سے تجاوز کر گئیں تو مکافاتِ عمل کا قانون حرکت میں آیا اور خالقِ ارض وسماء کی طرف سے کفار کے غرور وتکبر کی ناک کٹوانے کے لیے مسلمانوں کو ان سے دو دو

ہاتھ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی۔

اُذِنَ لِلَّذِيۡنَ يُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا‌ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَـصۡرِهِمۡ لَـقَدِيۡرُ الَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ بِغَيۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ‌ وَلَوۡلَا دَ فۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذۡكَرُ فِيۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا‌ وَلَيَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ۔

''ان لوگوں کو (جہاد) کی اجازت مرحمت فرما دی گئی ہے جن کے خلاف لڑا جاتا ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور بلاشبہ رب تعالیٰ ان کی نصرت پر خوب قادر ہے۔ وہ لوگ کہ جنہیں ان کے اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا ہاں صرف یہ کہنے پر کہ ''ہمارا رب تو اللہ ہی ہے''۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو (یعنی) ان کے ایک کو دوسرے کے ذریعے سے ہٹانا نہ ہوتا تو (راہبوں کے) جھونپڑے، (عیسائیوں کے) گرجے، (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں کہ جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، ضرور ڈھادی جاتیں اور اللہ تعالیٰ لازماً اس شخص کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے گا۔ اس بات میں ذرا بھی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ خوب قوت والا اور سب پہ غالب ہے''۔ [1]

پیر محمد کرم شاہ الازھری مرحوم لکھتے ہیں:

---

[1] الحج،۲۲/۳۹۔۴۰۔

''اس آیت کریمہ میں صرف مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد بالسیف کی اجازت ہی نہیں دی گئی بلکہ پروردگار عالم نے جہاد اسلامی کے سارے فلسفے کو ان چند سطروں میں سمو دیا ہے۔ آیت کریمہ کہہ رہی ہے کہ وہ مظلوم جن کے خلاف دشمنوں نے ایک عرصہ سے یک طرفہ جنگ

شروع کر رکھی ہے اور انہیں جواب میں تلوار اٹھانے کی اب تک اجازت نہ تھی اب ان کے صبر کا امتحان ختم ہوگیا ہے۔ اب ان کو بھی اجازت دی جا رہی ہے کہ وہ دشمن کو اینٹ کا جواب پتھر سے دیں۔ ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ مسلمانوں کو یہ اجازت اس لئے دی جا رہی ہے کہ اُن پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے، انہیں ستایا گیا، اذیتیں دی گئیں اور آخر کار انہیں مجبور کر دیا گیا کہ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر اپنے وطن عزیز سے ہجرت کر جائیں۔ جس جرم کی ان کو اتنی کڑی سزا ملی وہ صرف یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار یقین کرتے تھے۔ یہ آیت کریمہ جہادِ فی سبیل اللہ کو بھی بیان کر رہی ہے کہ جو لوگ خدا کی زمین پر خدا کا نام لینے والوں کو برداشت نہیں کرتے اگر اللہ تعالیٰ انہیں اپنی ظالمانہ کاروائیوں کو جاری رکھنے کی کھلی چھٹی دے دیتا تو روئے زمین پر کسی ایسے گھر کو باقی نہ رہنے دیتے جو خدا کے ذکر کے لئے قائم ہوا تھا۔"[1]

## مقاصد جہاد:

یہاں جہاد فی سبیل اللہ کے دو بنیادی مقاصد بیان کیے جا رہے ہیں:

۱۔ ظلم کا خاتمہ۔ ۲۔ اعلاء کلمۃ اللہ۔

قرآن مجید نے اسلامی جنگوں اور قتال کا محور انہی دو نکتوں کو مرکزی حیثیت میں رکھا ہے۔

❁ پہلا مقصد حسب ذیل آیات میں ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۔

"اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں

---

[1] ضیاء النبی ۷/۵۵۲ طبع ضیاء القرآن لاہور۔

کی خاطر نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ ''اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے کہ جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیے خود اپنے پاس سے حمایتی مقرر کر دے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا''۔ ①

❀ دوسرے مقام پر فرمایا:

وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۔

''اور انہیں (کفارِ مکہ کو) قتل کرو جہاں انہیں پاؤ اور انہیں وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور (سنو) فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ یہ خود تم سے نہ لڑیں تو تم بھی انہیں مارو کافروں کا بدلہ یہی ہے''۔ ②

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ۔

''اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کر دیا گیا ہے''۔ ③

وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا

''اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور تم زیادتی نہ کرو''۔ ④

---

① النسآء ۴/۷۵۔ ② البقرہ ۲/۱۹۱۔ ③ البقرہ ۲/۱۷۸۔ ④ البقرہ ۲/۱۹۰۔

''اعلاء کلمۃ اللہ'':

یعنی وہ لوگ جو بے دین ہیں ان کے نزدیک حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں ظلم کرنا ان کا وطیرہ اور ستم ڈھانا ان کی عادت ثانیہ ہے اسی طرح وہ لوگ جو دین کے نام پر زمین میں فساد برپا

کرتے ہیں۔ان سب کو جہاد کے ذریعے زیر کرنا اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنا حسب ذیل آیات میں آتا ہے:

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔

''اور تم ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور سارے کا سارا دین اللہ ہی کا ہو۔''①

وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ۔

''اور ان لوگوں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لئے ہو جائے۔''②

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ۔

''لڑو ان لوگوں سے جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ یوم آخرت پر اور اللہ اور اس کے رسول کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں کو بھی حرام نہیں سمجھتے اور نہ دینِ حق کو اختیار کرتے ہیں''۔③

فتنہ کے ختم اور کلمۃ اللہ کی بلندی کا مفہوم بیان کرتے ہوئے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں (فتنہ ختم کرنے کے لیے) جہاد کیا تھا وہ اس طرح کہ اسلام کے پروانے ابھی تھوڑے ہی تھے سو انہیں ان کے دین کے سبب فتنہ میں مبتلا کیا جاتا لوگ یا تو انہیں قتل کر ڈالتے یا پھر ایذائیں دیتے رہتے۔ یہاں تک کہ اسلام پھیل گیا اور فتنہ ختم ہو گیا۔''④

① الانفال ٣٩/٨۔② البقرہ ١٩٣/٢۔③ التوبة ٢٩/٩۔④ بخاری ٤٥١٣، ٤٥١٤، ٤٦٥٠۔

یعنی درج بالا آیات میں لفظ فتنہ (Persecution) کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس کا مطلب مذہبی بنیادوں پر کسی کو ظلم وتشدد کا نشانہ بنانا ہے۔

جبکہ اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں مخالفین نے مسلمانوں کے ساتھ یہی رویہ اختیار کیا جسے ختم کرنے کے لیےلڑائی کی اجازت دی گئی چنانچہ جب یہ مذہبی جبر ختم ہو جائے اور لوگ مسلمان کو بحیثیت مسلمان تسلیم کر کے دین اسلام پر عمل کرنے کی اجازت دے دیں تو فتنہ (Persecution) کا خاتمہ ہوجائے گا نیز اس کے نتیجے میں کلمۃ اللہ کی بلندی بھی خود بخود ہوتی چلی جائے گی۔

مذکورہ بالاتمام آیاتِ مبارکہ میں چونکہ بنیادی باتیں دو ہیں جن کی میں نے نشاندہی کی ورنہ علماء نے تو الگ الگ عنوان دے کر جہاد کے مقاصد کی تعداد زیادہ بتائی ہے۔

قرآن مجید سے ایک تیسرا مقصد بھی معلوم ہوتا ہےاور وہ جنگ بندی کی عہد شکنی ہے یعنی اگرکوئی قوم مسلمانوں کے ساتھ جنگ بندی کے کئے ہوئے معاہدوں پر پورا نہیں اترتی تو انہیں اس جرم کی سزا دینے کے لیے جہاد وقتال روا رکھا گیا ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّةَ الۡكُفۡرِ‌ۙ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ وَهَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَهُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ‌ ؕ اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ‌ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ قَاتِلُوۡهُمۡ يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ بِاَيۡدِيۡكُمۡ وَيُخۡزِهِمۡ وَيَنۡصُرۡكُمۡ عَلَيۡهِمۡ وَيَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِيۡنَ وَيُذۡهِبۡ غَيۡظَ قُلُوۡبِهِمۡ‌ ؕ وَيَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ۔

''اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو بلاتردّد ان کی قسمیں غیر معتبر ہیں تا کہ وہ باز

آجائیں۔کیا تم ان سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول (ﷺ) کو نکالنے کا ارادہ کیا اور تم سے اوّلاً لڑائی کی۔کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ جبکہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ان سے لڑو اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مومن قوم کے سینوں کو شفا بخشے گا۔اور ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا۔اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے توبہ کی توفیق دیتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا کمال حکمت والا ہے۔''[1]

یہ بھی ملحوظ رہے کہ

مسلمانوں کی جنگیں دنیوی جاہ وجلال حاصل کرنے کے لئے تھیں اور نہ ہی مال و دولت کی طلب میں۔ بلکہ فتح پانے کی غرض یہ قرار دی گئی کہ لوگوں کو عبادت و ریاضت پر لگایا جائے اور فقراء کی دستگیری کی تلقین کرنے کے ساتھ ساتھ عملی میدان میں اقدامات کیے جائیں، اچھی باتیں پھیلائی جائیں اور بری حرکتوں سے روکا جائے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ

''وہ لوگ کہ جنہیں ہم اگر زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔اچھے کام کا حکم دیں اور برے کام سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔''[2]

---

[1] التوبة ٩/ ١٢۔١٥۔

[2] الحج ٢٢/ ٤١۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى

اَلْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔

''اور جان لو کہ تم جو کچھ غنیمت حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔''[1]

یعنی جنگ میں حاصل ہونے والے مال و دولت میں سے پانچواں حصہ غریب، مساکین اور ضرورت مند افراد کے لئے علیحدہ کرلیا جائے جبکہ ان میں مسلم وغیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں اور بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کردیئے جائیں۔

## اسلامی جنگی اصول:

اسلامی جنگیں دنیا میں امن کے قیام کی غرض سے تھیں لوگوں کو خوف و ہراس اور دہشت میں مبتلا کرنا ہرگز مقصود و مطلوب نہ تھا اسی لئے ایسے جنگی اصول وضع کیے کہ امنِ عالم کے علمبرداروں میں اس کا عشر عشیر بھی مفقود ہے۔ مثلاً

اولاً۔ حتی الامکان کوشش کی جائے گی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت (ﷺ) امیرِ لشکر کو سبق دیتے کہ:''پہلے اسلام کی دعوت دو۔ قبول کرلیں تو ٹھیک ورنہ جزیہ کی ادائیگی کا مطالبہ رکھو اور اس ضمن میں واضح کرو کہ پھر تمہارے مال اور جان کی کلی حفاظت ہمارے ذمہ ہوگی اور تمہیں اپنے مذہب کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی ہوگی بصورت دیگر لڑائی کے لیے تیار رہو۔''

آپ (ﷺ) نے اہل مکہ پر چڑھائی بڑی رازداری اور خاموشی سے کی کہ کہیں وہ ہتھیار اٹھانے کی غلطی نہ کریں کیونکہ پھر خون خرابا لازم اور بچوں کا یتیم ہونا اور عورتوں کا بیوہ ہونا ضروری تھا۔

---

[1] الانفال ۸/۴۱۔

ثانیاً۔ جنگ ناگزیر ہو تو مسلمانوں کو وہ آداب وملحوظات سکھائے جو کسی مذہب کا حصہ نہیں۔ مثلاً

۞ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ ۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔'' (1)

۞ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جنگ میں دیکھا کہ خاتون قتل ہوگئی تو صحابہ کو سختی سے ڈانٹا اور حکم صادر کیا:

قُلْ لِخَالِدٍ لَا تَقْتُلَنَّ امْرَأَةً وَلَا عَسِيْفًا ۔

''خالد کو جا کر کہہ دو کسی عورت اور مزدور کو ہرگز قتل نہ کرنا۔'' (2)

۞ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو روانہ کرتے تو فرماتے:

''اللہ کے نام، اللہ کی مدد سے اور رسول کی ملت کے مطابق جاؤ (یاد رکھنا)۔''

لَا تَقْتُلُوْا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا وَلَا صَغِيْرًا وَلَا امْرَأَةً وَلَا تَغُلُّوْا وَضُمُّوْا غَنَائِمَكُمْ وَاَصْلِحُوْا وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۔

''بوڑھے آدمی، شیر خوار اور نابالغ بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، خیانت نہ کرنا، مال غنیمت اکٹھا کر لینا، اصلاح کرنی اور احسان کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (3)

۞ ایک اور حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لاش کا مثلہ کرنے سے منع کیا یعنی مخالفین کی لاشوں کی بے حرمتی نہیں کرنی ان کے ناک، کان، ہونٹ نہیں کاٹنے اور آنکھیں نہیں پھوڑنی۔ (4)

---

(1) بخاری ۳۰۱۵۔ (2) ابوداؤد ۲۶۶۹۔ (3) ابوداؤد ۲۶۱۴۔ (4) بخاری ۲۴۷۴۔

۞ مسیلمہ کذاب کا خط لے کر دو ایلچی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ان سے تصدیق چاہی کہ تم اس کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہو؟ دونوں نے کہا ہم اسے اس کے دعویٰ

(نبوت) میں سچا جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اَمَا وَاللّٰہِ لَوْلَا اَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ اَعْنَاقَکُمَا۔

''اللہ کی قسم اگر یہ قانون نہ ہوتا کہ ایلچی قتل نہیں کیا جا سکتا تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔''[1]

- دشمنوں کو قابو کر لینے کے بعد اگر ختم کرنا ضروری ہو تو انہیں اچھے انداز سے قتل کرنا چاہیے نہ کہ آگ میں تڑپا تڑپا کر مارا جائے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ فلاں اور فلاں ملے تو انہیں جلا دینا لیکن اب کہتا ہوں:

وَاِنَّ النَّارَ لَا یُعَذِّبُ بِھَا اِلَّا اللّٰہُ فَاِنْ وَجَدْ تُّمُوْھُمَا فَاقْتُلُوْھُمَا۔

''آگ کا عذاب اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا لہٰذا اگر وہ دونوں تمہیں مل جائیں تو انہیں قتل کر ڈالنا۔''[2]

گو عورت کو قتل کرنا روا نہیں مگر بسا اوقات حالات کے پیش نظر ایسا کرنا بھی پڑ جاتا ہے جیسا کہ فتح خیبر کے موقع پر ایک یہودی خاتون نے آنحضرت (ﷺ) کو قتل کرنے کی غرض سے گوشت میں زہر ملا دیا اور آپ ﷺ کی دعوت کی حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ لقمہ نگلنے کی وجہ سے چل بسے۔

پیغمبر اسلام نے گو کہ اسے پہلے معاف کر دیا تھا مگر صحابی کی وفات کے بعد قصاصاً اسے قتل کر دیا گیا۔

اسی طرح فتح مکہ کے روز ابن خطل کی دو لونڈیوں کے متعلق حکم نامہ جاری کیا کہ جہاں ملیں قتل کر دی جائیں کیونکہ وہ نبی (ﷺ) کی ھجو کیا کرتی تھیں اور باز نہ آئیں۔ ان میں سے ایک قتل ہوئی جبکہ دوسری نے امان طلب کی، بعد میں مسلمان ہوگئی۔

---

[1] ابو داؤد ۲۷۶۱۔ [2] بخاری ۳۰۱۶۔

- اسلام نے یہ بھی ایک اصول وضابطہ مقرر کیا ہے کہ اگر دشمن حالت جنگ میں بھی صلح کرنا چاہتا ہے تو مسلمانوں کے لیے صلح کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں خواہ دشمنوں کی نیت دھوکہ دینے ہی کی کیوں نہ ہو۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ۔

''اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور رب تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں، بلاشبہ وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ تجھے دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو بے شک تجھے اللہ ہی کافی ہے۔''[1]

زُبدۃ الکلام یہ ہے کہ اسلام کے حکم جہاد کو سمجھنے کے لئے تین چیزوں پر خصوصی توجہ دینی ضروری ہے۔

اول۔ جنگ کس مقصد کے لئے ہے؟

دوم۔ جنگ کن کے خلاف لڑی جائے۔

سوم۔ جنگ میں کن شرائط وقیود کی پابندی ضروری ہے۔

لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ

مندرجہ بالا قرآنی آیات واحادیثِ مبارکہ کے مطابق اسلامی جنگیں آتشِ انتقام کو بجھانے کے لئے لڑی گئیں اور نہ کسی قوم کی نسلی برتری کو ثابت کرنے کے لئے۔ اسی طرح ان سے کوئی صنعتی وتجارتی مفاد وابستہ ہوتا ہے اور نہ ہی لوگوں کو جبراً دین اسلام قبول کروانا بلکہ محض ظلم و سربریت کے خاتمہ کی اور حق کی سربلندی کے لئے لڑی جاتی ہیں۔

## بائیبل کے اصولِ جنگ:

فیصلہ کی منزل تک پہنچنے اور حقیقت کی کنہ تک رسائی کے لئے اسلام کے نظریہ جہاد اور امنِ عالم کے دعویداران کے مذہب کے اصول جنگ میں تقابل ضروری ہے۔ پڑھیے اور تصفیہ کیجیے۔

---

[1] الانفال ٨: ٦١۔٦٢۔

(۱) موسیٰ علیہ السلام نے مدیانیوں کے خلاف لشکر جرار تیار کیا اور انہوں نے جا کر جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کر دیا۔ نیز مدیان کے پانچ بادشاہوں کو بھی قتل کیا۔ بچوں اور عورتوں

کو قیدی بنا کر لے آئے۔لیکن موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں، ان کو قتل کر ڈالو۔''①

(۲) ''جب خداوند تیرا خدا تجھکو اس ملک میں جس پر تو قبضہ کرنے جا رہا ہے، پہنچا دے اور تیرے آگے ان بہت سی قوموں کو یعنی حِتّیوں اور جرجاسیوں اور اموریوں اور کنعانیوں اور فرزّیوں اور حوّیوں اور یبوسیوں کو جو ساتوں قومیں تجھ سے بڑی اور زور آور ہیں نکال دے اور جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے آگے شکست دلائے اور تو ان کو مارے تو تو ان کو بالکل نابود کر ڈالنا۔تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا اور نہ ان پر رحم کرنا تو ان سے بیاہ شادی بھی نہ کرنا۔''②

(۳) اور خداوند ہمارے خدا نے اسے (یعنی سیحون بادشاہ کو) ہمارے حوالہ کر دیا اور ہم نے اسے اور اس کے بیٹوں کو اور اس کے سب آدمیوں کو مار لیا اور ہم نے اسی وقت اس کے سب شہروں کو لے لیا اور ہر آباد شہر کو عورتوں اور بچوں سے بالکل نابود کر دیا اور کسی کو باقی نہ چھوڑا۔''③

(۴) ''تب خداوند نے یشوع سے کہا کہ ان سے نہ ڈر کیونکہ کل اس وقت میں ان سب کو اسرائیلیوں کے سامنے مار کر ڈال دوں گا۔تو ان کے گھوڑوں کی کونچیں کاٹ ڈالنا اور ان کے رتھ آگ سے جلا دینا چنانچہ یشوع اور سب جنگی مرد اس کے ساتھ میروم کی جھیل پر ناگہاں ان کے مقابلہ کو آئے اور ان پر ٹوٹ پڑے اور خداوند نے ان کو اسرائیلیوں کے

---

① گنتی ۳۱:۱۷۔ ② استثناء۷:۱۔۳۔ ③ استثناء۲:۳۳۔۳۴۔

قبضہ میں کر دیا سو انہوں نے ان کو مارا اور بڑے صَیدا اور مسرفات المائم اور مشرق میں مصفاہ کی وادی تک ان کو رگیدا اور قتل کیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک بھی باقی نہ

چھوڑا اور یشوع نے خداوند کے حکم کے موافق ان سے کیا کہ ان کے گھوڑوں کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور ان کے رتھ آگ سے جلا دیئے۔''[1]

(۵) سموئیل نبی نے ساؤل بادشاہ کو خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچایا:

''سو اب تو جا اور عمالیق کو مار اور جو کچھ ان کا ہے سب کو بالکل نابود کر دے اور ان پر رحم مت کر بلکہ مرد اور عورت، ننھے بچے اور شیر خوار، گائے بیل اور بھیڑ بکریاں اونٹ اور گدھے سب کو قتل کر ڈال۔ لیکن ساؤل بادشاہ نے عمدہ جانور اور موٹے موٹے بچوں کو جیتا رکھا تو خداوند کا کلام سموئیل نبی کو پہنچا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں نے ساؤل کو بادشاہ ہونے کے لئے مقرر کیا کیونکہ وہ میری پیروی سے پھر گیا ہے اور اس نے میرے حکم نہیں مانے۔''[2]

ان قوانین کا تقابل کرنے کے بعد ہر انصاف پسند یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ اسلام کے قوانین جہاد، یہودیت اور نصرانیت کے قوانین جنگ کی بانسبت کہیں زیادہ رحیمانہ اور مشفقانہ ہیں۔ احترام انسانیت جتنا دین اسلام میں ہے دیگر مذاہب اس سے خالی ہیں۔ وللہ الحمد۔ وجہ واضح ہے کہ ان میں انسانی خیالات کی آمیزش ہو چکی ہے اور انہیں تحریف وتفسیر کی سان پر چڑھا دیا گیا ہے۔[3]

جس طرح ان مذاہب کے قوانین جنگ میں فرق ہے بالکل اسی طرح ان قوموں کی جنگی تاریخ بھی ایک دوسرے سے مختلف تصویر پیش کرتی ہے۔

---

[1] یشوع ۱۱:۶۔۹۔ [2] ۱۔سموئیل ۱۵:۲،۳،۱۰،۱۱۔ [3] یہاں کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم انبیاء علیہم السلام پر اعتراض کر رہے ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) دراصل مخالفین کو ان کی مذہبی کتاب سے آئینہ دیکھانا مقصود ہے جبکہ ہمارا ایمان ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایسی ظالمانہ کاروائیاں نہیں کر سکتے، یہ واقعات بھی دیگر کئی الحاقی عبارات کی طرح رطب و یابس کا مجموعہ ہیں جو بائیبل کے نامعلوم مرتبین نے بغیر تحقیق کے لکھ دیئے۔

یہودیوں کی تاریخ ظلم، عہد شکنی، خیانت اور ان کارستانیوں کے ردّعمل میں ان کی تباہی کے واقعات کے ایک طویل سلسلے کا نام ہے۔ اس قوم کو جب بھی موقع ملا اس نے اپنے مذہبی

صحیفوں کی تعلیمات کے مطابق تباہی و بربادی کی خوفناک مثالیں قائم کی ہیں۔ان کے مظالم سے نہ تو دشمن بچ سکے ہیں اور نہ ہی مقدس پیغمبران کے ہاتھوں قتل ہونے سے محفوظ رہے۔

صلیبی جنگوں کے دوران عیسائیوں نے جن سفاکیوں کا مظاہرہ کیا۔سان بارٹملی میں عیسائیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کے خون کی جو ندیاں بہیں اور مصر و شام کے مختلف عیسائی فرقے ایک دوسرے کے خلاف جو جہاد کرتے رہے اور انسانیت کے نام پر ایک بدنما دھبہ لگاتے رہے وہ ان کی مذہبی تعلیمات کے عین مطابق تھا۔اندلس میں مسلمانوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا؟ کسی سے مخفی نہیں، جنگ عظیم اول و دوئم میں دنیا کو تباہی کے دہانے میں پہنچا دیا گیا یہ سب کچھ شائد ان کی مذہبی تعلیمات کا حصہ تھا۔

## عہد نبوی کی جنگیں اور مقتولین:

جبکہ اسلام کی تاریخ ان سے قطعاً مختلف ہے پیغمبر اسلام (ﷺ) کو مکی دور نبوت میں یعنی (۱۳سال) تک تو مقابلے میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہ تھی بعد از ہجرت، مدینہ میں آکر اس کا اذن ملا۔ان دس سالوں میں کئی مہمّات سامنے آئیں۔ان میں سات تو باقاعدہ جنگیں تھیں جبکہ دس ایسے واقعات تھے جن میں دشمنوں نے ڈاکا ڈالا اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، سرحدوں کی حفاظت کے لئے کئی کاروائیاں کرنی پڑیں، دشمن کی طرف سے دھوکہ دہی کے واقعات بھی رونما ہوئے وغیرہ۔

اس طرح کے تمام واقعات، کاروائیوں اور جنگوں کی عہد نبوی میں تعداد بیاسی (۸۲) تھی۔ جن میں مسلمان شہداء کی تعداد (۲۵۹) جبکہ کفار مقتولین کی تعداد (۷۵۹) ہے۔یعنی مجموعی لحاظ سے طرفین کے مقتولین (۱۰۱۸) ہیں۔ [1]

[1] رحمة للعالمين ۱۹۷/۲ طبع مکتبه محمودیه۔

اسلام نے بنی نوع انسان کو اتنے کم مقتولین کے بدلے کیا دیا ہے؟ انسانیت کو بت پرستی

سے نجات دلا کر توحید کی عظمتوں اور رفعتوں سے روشناس کرایا جس کا لازمی نتیجہ صنعتی ترقی اور دور جدید میں انتہا کو پہنچتی ہوئی سائنسی ایجادات ہیں اسی طرح اسلام نے مدینہ کے باسیوں کو...... جو صدیوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور اسی روش کو نسلوں تک منتقل کرتے آرہے تھے...... ایک دوسرے کے بھائی بنا دیا۔ ماں جائے سے بڑھ کر۔ اپنی خونخواری کے سبب ننگ انسانیت عرب اب محبت والفت میں آسمان کو دنگ چھوڑ رہے تھے۔ جو کبھی قانون کی پابندی کو عار سمجھتے تھے قانون دانوں کے لئے ماخذ بنے۔ تہذیب وثقافت سے نا آشنا، دوسروں کو تہذیب وثقافت کا درس دینے لگے گویا انسانوں کی روحانی، سماجی، سیاسی اور اقتصادی زندگی کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ یہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی برکت اور تمام جہانوں کے لئے رحمت نہیں تو اور کیا ہے؟

## عہد نبوی میں قیدیوں کی تعداد اور طرز عمل:

قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ نے ان کاروائیوں میں دشمن قیدیوں کی تعداد (۶۵۶۴) بتائی ہے۔ چنانچہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''دشمنوں کے اسیران کی تعداد کافی معلوم ہوتی ہے یعنی (۶۵۶۴)۔ مگر یہ تعداد بھی جزیرہ نما عرب کی وسعت کے مقابلہ میں ہیچ ہے اور چونکہ اس تعداد کے اندر بڑی تعداد (۶۰۰۰) ایک ہی غزوہ حنین کی ہے اس لیے باقی جنگوں میں اوسط اسیران جنگ (۷) رہتا ہے اور یہ تعداد بھی ایسی نہیں ہے جو تمام ملک کو تبدیلی مذہب پر مجبور کر سکے۔

ہم کو (۶۵۶۴) قیدیوں کی تعداد کے متعلق یہ تحقیق سے معلوم ہو گیا ہے کہ (۶۳۴۷) کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے از راہ لطف اور احسان بلا کسی شرط کے آزاد فرما دیا تھا اور صرف دو قیدی ایسے تھے جو سابقہ جرائم کی پاداش میں قتل کیے گئے تھے جبکہ (۲۱۵) قیدی ایسے رہ جاتے ہیں

جن کے بارے میں مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔ امید ہے میرے بعد کوئی وسیع النظر عالم اس کی تکمیل فرماسکیں گے۔ مگر مجھے یقین محسوس ہوتا ہے کہ جس ذات قدسی نے (۶۳۴۷) کے ساتھ لطف واحسان فرمایا تھا اس کے الطاف سے یہ (۲۱۵) آدمی بھی ضرور بہرہ ور ہوئے ہوں گے اورزیادہ غالب بات یہ ہے کہ یہ لوگ مسلمان ہوکر مسلمانوں کے اندر رہ گئے ہوں گے اس لئے ان کا شمار رہائی پانے والوں میں نہیں ہوا۔ [1]

اگر اسلام کے اصول جنگ وہی ہوتے جو آج کے نام نہاد مہذب قوموں کے ہیں تو فریقین کے مقتولوں کی تعداد (۱۰۱۸) ہرگز نہ ہوتی۔ اگر پیغمبر اسلام مفتوح اقوام کے ساتھ وہی سلوک کرتے جو بائیبلی قانون روا رکھتا ہے تو تاریخ کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

## غیر مسلموں کے لئے اسلامی جنگوں کی برکت:

اسلامی اصول جنگ جہاں مسلمانوں کے لئے مفید ہیں اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو غیر مسلم اقوام بھی اس سے بھرپور مستفید ہوتی ہیں۔

سب سے پہلا اور بڑا فائدہ دنیا سے مذہبی جبر (Persecution) کا خاتمہ کر کے سب کو مذہبی آزادی ملنے کا ہے جس کا تذکرہ پیچھے لفظ فتنہ کے تحت ہو چکا ہے بقیہ فوائد فضیلۃ الشیخ مفتی عبدالرحمان رحمانی رحمہ اللہ کی قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

- جنگ میں عدل وانصاف کے علاوہ عورتوں، بچوں، کمزوروں اور راہبوں کا مکمل تحفظ۔
- اسلام قبول کرنے یا پھر جزیہ ادا کرنے کا معاہدہ جنگ سے رکاوٹ بن جاتا ہے اور امان طلب کرنے والے کے تحفظ کی ضمانت۔ [2]

---

[1] رحمة للعالمين ۱۹۷۔۱۹۸ حصه دوئم طبع مكتبه محموديه۔

[2] التوبة ۹/ ۲۶۔۲۹۔

- جنگی قیدیوں بالخصوص بچوں اور عورتوں کے لئے عدل وانصاف پر مبنی انسانی حقوق کی

ضمانت۔ [1]

- جنگ نہ کرنے والے کافروں اور صلح طلب کرنے والوں کے لئے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کا تحفظ اور قبولیت صلح کی بشارت۔ [2]
- امن طلب کرنے والے کے علاوہ مستقل ذمیوں کے جان و مال اور اہل عیال کی حفاظت۔ [3]
- ذمیوں کے لئے مذہبی آزادی اور شخصی آزادی کی نعمت اور عدل وانصاف کا حصول: [4]
- جنگی قیدیوں کے لئے غلامی کا لازمی طوق منسوخ کرنے اور انسانی وقار قائم کرنے کے تمام حقوق بحال کرنے کا موقع۔ [5]
- غلاموں کے لئے نہایت منصفانہ انسانی حقوق اور مکاتب (ایسا غلام یا لونڈی جس نے اپنے مالک سے آزادی کی قیمت مقرر کر لی ہو اور وہ اس کی ادائیگی کی کوشش کر رہا ہو) اور ام ولد (ایسی لونڈی جو آزاد مرد کے بچے کی ماں بن چکی ہو) کے لئے آزادی کی گارنٹی۔ [6]
- عالمی امن وامان کا قیام اور ہر مظلوم ومجبور کا دفاع۔ [7]
- کافروں سے معاہدہ کرنے والوں کے لئے شخصی آزادی کے علاوہ معاشی کفالت کی ضمانت۔ [8]

---

(1) الانفال ٨/٧٠-٧١، محمد ٤٧/٤۔ (2) الانفال ٨/٦٠-٦١، الممتحنة ٦٠/٨۔
(3) التوبة ٩/٢٩۔ (4) المائدة ٥/٤٢، التوبة ٩/٢٩۔ (5) محمد ٤٧/٤۔
(6) النور ٢٤/٣٢-٣٣۔ (7) النساء ٤/٧٥، الحج ٢٢/٤١۔
(8) الجهاد الاسلامی ٦٣٨-٦٣٩ طبع دارالاندلس۔

## دہشت گردی کیا ہے:

اسلامی جنگوں کے مقاصد اس وقت مزید نکھر کر سامنے آجاتے ہیں جب ہم دہشت گردی کی تعریف اور مقاصد معلوم کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد عبداللہ (شعبہ اسلامیات گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان) اپنے مقالہ ''سیرت نبوی (ﷺ) کی روشنی میں انسداد دہشت گردی''میں رقمطراز ہیں:

''دہشت کے معنی: ڈر خوف اور خطرہ۔اور دہشت گردی کے معنی خوف و ہراس پھیلانا ہیں''۔ ①

انگریزی میں دہشت کے لئے Terror کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔جس کے معنی ہیں: حد درجہ خوف، کسی شخص یا چیز کو خوفزدہ کرنا، اور دہشت گردی کے لئے Terrorism کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں: تشدد اور دھمکی کا استعمال۔ ②

دہشت گردی ایک عام اور اصطلاحی لفظ ہے، چنانچہ جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو انسانی ذہن قتل، تشدد اور تباہی کے مناظر پیش کرتا ہے۔ دہشت اور دہشت گردی میں کچھ فرق ہے جس کا اظہار درج ذیل Definition سے ہوتا ہے۔

''دہشت کو برسر اقتدار سیاسی گروہ کے خلاف بعض معاشی و معاشرتی نظریات تبدیل کرنے کے لئے دباؤ کے طور پر استعمال کئے جانے کا نام دہشت گردی ہے، اس میں تشدد کے استعمال کی دھمکی بھی شامل ہے اور تشدد کا بھرپور استعمال بھی۔'' ③

دہشت گردی کی سادہ الفاظ میں تعریف یوں کی گئی ہے:

---

① فیروز اللغات، ص ۶۵۸، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔

② آکسفورڈ یونیورسٹی پریس The Oxford Guid to the English Language P-537۔

③ انعام الرحمٰن سحری، دہشت گردی، ص ۴۳ سنگ میل پبلیکیشنز لاہور۔

''دہشت گردی ایک ایسا فعل ہے جس میں بڑی منصوبہ بندی اور سوچ و بچار کے بعد تشدد

اور تباہی کا مخصوص راستہ اپنایا جاتا ہے تاکہ خاص سیاسی، مذہبی یا لسانی و نسلی مقاصد حاصل کیے جا سکیں۔ اگر یہ مالی فوائد حاصل کرنے کے لئے کیا گیا ہو تو ایجنسی مذکورہ یا ریاست کو بھاری مالی نقصان سے دوچار کردے گا۔"[1]

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں دہشت گردی کی وضاحت درج ذیل الفاظ سے کی گئی ہے۔

"Terrorism, the systematic use of terror or unpredictable violence against Governments, public or individuals to attain a political objective. Terrorism has been used by political organizations with both Rightist and Leftist objectives, by nationalistic and ethnic groups, by revolutionaries and by the armies and secret police of government themselves."[2]

ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا میں دہشت گردی اور اس کے مقاصد کے بارے میں یہ تحریر کیا گیا ہے۔

"Terrorism is the use or threat of violence to create fear and alarm. Terrorists murder and kidnap people, set off bombs, hijack airplanes, set fires and commit other serious crimes. But the goals of terrorists differ from those of ordinary criminals. Most criminals want money or some other form of personal gain. But most terrorists commit crimes to support political causes."[3]

---

① انعام الرحمٰن سحری، دہشت گردی، ص۴۰ سنگ میل پبلیکیشنز لاہور۔

②The New Encyclopedia Britannica Vol 11 Page# 650.

③ The World Book Encyclopedia Vol 19, P..178

دہشت گردی کے بارے میں درج بالا آراء سے واضح ہوتا ہے کہ دہشت گردی وہ فعل ہے

جس میں دہشت گرد انسانی زندگیوں سے کھیلتے ہیں، بے گناہ لوگوں کو قتل کیا جاتا ہے، بعض کو اغواء کر کے بھاری تاوان طلب کیا جاتا ہے۔ املاک کو آگ لگا کر یا بم استعمال کر کے تباہ کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ہوائی جہاز ہائی جیک کر لئے جاتے ہیں۔ مزید براں جنسی تشدد، مال ودولت کی چوری اور راہزانی کے مختلف واقعات کے پس پردہ بھی دہشت گرد افراد کارفرما ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا Definitions سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دہشت گردی کا ارتکاب افراد بھی کرتے ہیں اور مختلف گروہ، تنظیمیں، بعض سیاسی جماعتیں و (نام نہاد) مذہبی گروہ بھی دہشت گردی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض حکومتیں بھی دہشت گردی کی کاروائیوں میں ملوث ہوتی ہیں۔ دہشت گردی کی ان مختلف تعریفوں Definitions سے دہشت گردی کے مقاصد کا بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض مجرم یعنی دہشت گرد مال ودولت کی ہوس یا دیگر ذاتی مفادات کے لئے دہشت گردی کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن عمومی طور پر دہشت گردی، سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے کی جاتی ہے، بعض اوقات نفسیاتی مریض اور معاشرے کے بعض شکست خوردہ افراد بھی اپنی مایوسی (Frustration) کے باعث دہشت گردی کی کاروائیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

دہشت گردی کی مختلف نوعیّتوں اور صورتوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ دہشت گردی صرف قومی یا ملکی سطح کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک عالمی مسئلہ ہے اور مختلف ممالک اور اقوام بین الاقوامی دہشت گردی کا شکار ہیں۔ بین الاقوامی دہشت گردی کی مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں مثلاً کسی ملک کے خلاف بلا جواز اقتصادی پابندیاں لگا دینا، کسی قوم کو اپنے وسائل اپنے اختیار سے استعمال کرنے سے بزور قوت روکنا، کسی ملک میں مختلف حیلوں، بہانوں سے افواج داخل کر کے قتل عام کرنا، چھوٹے ممالک کو آپس میں لڑا کر ان کی توانائیاں ضائع کر کے انہیں کمزور کرنا، کسی قوم کو حقِ خودارادیت سے محروم کرنا وغیرہ۔

''اس کی عملی مثالیں دنیا میں موجود ہیں مثلاً عراق ، لیبیا اور افغانستان پر اقتصادی پابندیاں لگائی گئیں ہیں، عراق کو اپنے وسائل مثلاً تیل کی برآمد کے لئے اقوام متحدہ سے اجازت لینے کا پابند بنا دیا گیا۔ چیچنیا میں بلا جواز روس نے اپنی افواج داخل کر کے وہاں عوام کے قتل عام کا سلسلہ شروع کیا۔ عراق اور ایران کے مابین جنگ کرا کے ان کے وسائل کو ضائع کرا دیا گیا ہے اور دونوں کی فوجی طاقت کمزور ہو چکی ہے۔ انڈیا نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود کشمیری مسلمانوں کو حق خودارادیت سے بزور قوت محروم کیے ہوئے ہے۔''[1]

دہشت گردی کی مذکورہ بالا تعریفات کے زمرے میں جو صورتیں آتی ہیں، ان میں سے اسلام نے کسی کی بھی حوصلہ افزائی نہیں کی اور نہ ہی اسلامی جنگوں کے مقاصد میں سے کوئی ایسا مقصد ہے، جیسا کہ تفصیل سے آپ نے دیکھ لیا۔ لہٰذا انہیں دہشت گرد قرار دینا ہرگز قرین قیاس نہیں بلکہ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو انسان یا تنظیم عام پبلک کو دہشت زدہ کرے، ان کے جان و مال کو لوٹتی پھرے۔ ایسے افراد کو نشانِ عبرت بنا دینا چاہیے۔

جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔

''اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے والوں اور زمین میں فساد کرنے کی کوشش

[1] مقالات سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مرتب پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر ص ۷۹۳۔۷۹۵ جلد ۲ طبع 2009۔

کرنے والوں کو سزا یہ ہے کہ انہیں بری طرح قتل کیا جائے یا انہیں بری طرح سولی دی

جائے یا ان کے ہاتھ مختلف سمتوں سے بری طرح کاٹے جائیں یا انہیں اس سرزمین سے نکال دیا جائے۔ یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔"[1]

## داعیان امن کی جنگی تاریخ ایک نظر میں:

آیئے ایک نظر آج کے نام نہاد مہذب، داعیانِ تہذیب اور امن پسند یورپ کی رزم آرائیوں پر ڈالیں اور دیکھیں کہ کس کی تلوار عالم انسانیت کی دشمن ہے اور کون انسانیت کا دشمن ہے:

- 30 سالہ جنگ (1618ء۔1648ء) میں جرمنی، فرانس، آسٹریا اور سویڈن وغیرہ نے حصہ لیا۔ اس میں صرف جرمنی کے ایک کروڑ بیس لاکھ آدمی مارے گئے۔[2]
- 1857ء کی جنگ آزادی ہند میں انگریزوں نے 27 ہزار مسلمانوں کو پھانسی دی اور اس کے علاوہ سات دن تک برابر قتل عام ہوتا رہا جس کا کوئی حساب وشمار نہیں۔[3]
- امریکی خانہ جنگی 1861ء سے 1865ء تک جاری رہی۔ اس میں 8 لاکھ افراد مارے گئے اور 74 کروڑ پاؤنڈ خرچ ہوئے۔[4]
- 1907ء کی ہیگ کانفرس میں غیر مقاتلین کو تحفظ دینے کا معاہدہ ہوا لیکن اس معاہدے کے بعد جب ریاست ہائے بلقان اور ترکی کے درمیان دوسری جنگ ہوئی تو اس میں 240000 غیر مقاتل مسلمان تلوار کے گھاٹ اتارے گئے۔[5]

(1) المائدة ۳۳/۵۔

(2) رسول رحمت ﷺ ص۷۸۳۔ (3) تاریخ ندوۃ العلماء: ۱/۴۱۔ (4) رسول رحمت ﷺ ص۷۸۴۔

(5) الجہاد فی الاسلام، ص۵۷۱۔

- جنگ عظیم اول (1914ء۔1918ء) میں مجموعی طور پر 75 لاکھ افراد ہلاک ہوئے اور

ایک کھرب 86 ارب ڈالر کے وسائل حیات نذر آتش کیے گئے۔ (1)

- 1918ء میں سوویت یونین نے قازاقستان پر قبضہ کیا تو وہاں کی تمام مساجد اور دینی مدارس منہدم کر دیے۔ علماء اور اساتذہ کو فائرنگ اسکواڈ سے ہلاک کر دیا گیا۔ ان ظالمانہ کاروائیوں میں دس لاکھ قازاق مسلمان شہید ہو گئے۔ (2)
- جنگ عظیم دوم (1939ء۔ 1945ء) میں مجموعی طور پر ساڑھے چار کروڑ انسان ہلاک ہوئے۔ صرف ایک شہر سٹالن گراڈ میں دس لاکھ افراد لقمۂ اجل بنے۔ جرمنی میں بے شمار انسان گیس چیمبروں کے ذریعے سے ہلاک کئے گئے۔ بیک وقت چار براعظموں یورپ، امریکہ، ایشیا اور افریقہ پر مسلسل 6 برس تک اس منحوس جنگ کے مہیب سائے چھائے رہے۔ چار براعظموں کے انسٹھ ممالک (پچاس اتحادی اور 9 محوری) آپس میں دست و گریبان ہوئے جن میں سے صرف ایک ملک امریکہ کا اس جنگ میں تین کھرب ساٹھ ارب ڈالر کا خرچہ ہوا۔ (3)
- 1945ء میں جدید تہذیب و تمدن کے بڑے علمبردار امریکہ نے جاپان کے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر آبادی سے بھرے یہ دونوں شہر صفحۂ ہستی سے مٹا دیے۔ (4)
- یوگوسلاویہ میں کیمونسٹوں نے اپنے دور میں 24 ہزار سے زائد مسلمانوں کو تہ تیغ کیا اور 17 ہزار سے زائد مساجد و مدارس مسمار کیے۔ (5)
- 1979ء تا 1989ء روس نے افغانستان میں 15 لاکھ مسلمان شہید کیے۔ (6)

---

(1) جہانگیر انسائیکلوپیڈیا آف جنرل نالج ص ۳۸۱۔ (2) ماہنامہ اردو ڈائجسٹ، جولائی 1995ء۔
(3) ماہنامہ قومی ڈائجسٹ، لاہور۔ جولائی 1993ء۔ (4) ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور، جولائی 1995ء۔
(5) مجلۃ الدعوۃ لاہور، فروری 1993ء۔ (6) اشراط الساعۃ ص: ٦٠۔

- اپریل 1992ء تا ستمبر 1992ء صرف چھ ماہ میں بوسنیا میں ڈھائی لاکھ مسلمان شہید کیے

گئے۔ پانچ لاکھ بے گھر کیے گئے۔ پچاس ہزار عصمت مآب مسلمان خواتین کی آبروریزی کی گئی۔ [1]

- 1982ء میں اسرائیل نے فلسطین کے شہروں صابرہ اور شتیلہ کے کیمپوں میں 50 ہزار مسلمان شہید کیے۔ [2]
- 1992ء کے بعد سے اب تک بوسنیا، کوسوو اور چیچنیا میں 5 لاکھ مسلمان کفار کے ہاتھوں شہید ہو چکے ہیں۔ [3]
- 7 اکتوبر 2001ء تا 12 نومبر 2001ء صرف ایک ماہ اور 5 دنوں میں امریکہ نے افغانستان میں 90 ہزار بے گناہ مسلمان مرد، عورتیں اور بچے شہید کیے اور سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ [4]
- حالیہ عراق کی جنگ میں امریکی جرائم کی فہرست بڑی طویل ہے۔ قتل و غارت کے واقعات میں ایک محتاط اندازے کے مطابق 10 لاکھ افراد آتش و آہن کی نذر ہوئے۔ مزید تفصیل کے لیے محمد صالح مغل کی کتاب ''امریکہ کا زوال'' دیکھیے۔ [5]

---

(1) ہفت روزہ تکبیر کراچی، 4 مارچ 1993ء۔ (2) اشراط الساعۃ، ص:۵۹۔ (3) اشراط الساعۃ، ص:۶۰
(4) اشراط الساعۃ، ص:۶۰، امریکہ کا زوال، ص:۴۳۔ (5) ماخوذ از پیغمبر امن، ص ۱۶۳، ۱۶۵ طبع دار السلام، لاہور۔

نوٹ: 2001ء تک تو ان غیر اسلامی جنگوں میں ہونے والے جانی و مالی نقصان کے اعداد و شمار ملتے ہیں لیکن اس کے بعد سے لے کر آج 2013ء تک میں مسلمانوں کے جانی و مالی نقصان کی تفصیل نہیں میسر آئی تحقیق کرنے پر بڑا حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ غیر مسلم تھنک ٹینک نے 2001ء سے پالیسی وضع کر لی کہ اب مسلمانوں کے جانی و مالی نقصان کے اعداد و شمار کے حوالے سے سروے نہیں ہوا کرے گا بہر کیف ہر ذی فہم بخوبی واقف ہے کہ ان بارہ سالوں میں بھی ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمان اس بربریت کا نشانہ بن چکے ہیں اور کروڑوں اربوں روپے کا نقصان ہو چکا ہے۔ برما، افغانستان، عراق، کشمیر، فلسطین اور پاکستان کے آزاد علاقے اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ نیز یہ سلسلہ رُکتا ہوا بھی نظر نہیں آتا۔

- پیغمبر اسلام ﷺ کی پیدائش سے قبل 523ء میں یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس نے

عیسائیوں کے مرکز نجران پر حملہ کیا تا کہ وہاں سے عیسائیت کا خاتمہ کر کے لوگوں کو یہودیت اختیار کرنے پر مجبور کرے، انہوں نے انکار کیا تو نجران کے حاکم حارثہ کو قتل کر دیا، اس کی بیوی رومہ کے سامنے اس کی دو بیٹیوں کو قتل کر دیا اور ماں کو بچیوں کا خون پینے پر مجبور کیا بعد میں والدہ کو بھی قتل کر دیا گیا، بشپ پال کی ہڈیاں قبر سے نکال کر جلائیں، گڑھے کھود کر ان میں آگ جلوائی جن میں عورتوں، بچوں، مردوں، بوڑھوں سب کو پھینکوا دیا مجموعی طور پر 20 ہزار سے 40 ہزار تک زندہ انسانوں کو آگ میں جلا دیا گیا اس کا تذکرہ قرآن مجید سورہ بروج میں یوں کیا گیا:

وَمَا نَقَمُوا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ۔

''اہل ایمان سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی کی وجہ سے نہ تھی کہ وہ زبردست تعریف کیے گئے اللہ پر ایمان لائے تھے۔'' ①

❁ جب یورپ میں لوتھر کے پیرو بڑھ گئے تو پاپائے روم نے حکومت فرانس کو گانٹھا اور حکومت نے 24 اگست 1572ء کو فرانس میں پیروان لوتھر کے قتل عام کا حکم دے دیا اور پچاس ہزار پروٹسٹنٹ قتل ہو گئے۔ ②

## غیر مسلم دانشور اور اسلامی نظریہ جہاد:

(ا) کیرن آرمسٹرانگ اپنی کتاب میں لکھتی ہیں:

''اسلام کو تلوار کے دین کا لیبل لگا کر بدنام کیا گیا، ایک ایسا دین جس نے تشدد اور عام رواداری کو مقدس بنا کر روحانیت حقیقی کو ترک کر دیا ہو۔ یہ ایک ایسا مفروضہ ہے جس نے قرونِ وسطیٰ سے مغربی عیسائی دنیا میں اسلام کو ذلیل کر دیا ہے۔ اگرچہ اس زمانے میں عیسائی مشرق وسطیٰ میں اپنی جنگوں میں مصروف تھے جنہیں وہ ''مقدس جنگوں'' کا

---

① تفہیم القرآن 297/6۔ ② یورپ پر اسلام کے احسان ص 77۔

نام دیتے ہیں آج عام پڑھی جانے والی کتابوں اورٹیلیویژن پروگراموں میں اسلام کو عموماً Rage of Islam اور Holy Terror اور Sacred Rage کے القاب سے متعارف کرایا جاتا ہے جبکہ یہ حقیقت سے اغماض اور اسے توڑ مروڑ کر پیش کرنا ہے۔مغرب میں ہم لوگ محمد (ﷺ) کو آقائے حرب و جنگ کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ایسا آقا جس نے دنیا پر اس کے نہ چاہنے کے باوجود اسلام کو بزور شمشیر مسلط کرنے کے لیے اپنی تلوار چمکا رکھی ہو۔

حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔محمد (ﷺ) اور شروع دور کے مسلمان اپنی حیات کے بقاء کی جنگ لڑ رہے تھے اور انہوں نے دنیا کو ایسا پر امن نظام عطا کرنا تھا جس کے حصول میں (مناسب) تشدد ناگزیر تھا۔اس لیے صلاح پر مبنی کوئی بھی سماج اور سیاسی انقلاب خونریزی کے بغیر برپا نہیں ہوسکتا، چونکہ محمد (ﷺ) افراتفری اور لاقانونیت کے دور میں رہ رہے تھے لہٰذا امن وآشتی کو بزور شمشیر ہی حاصل کیا جاسکتا تھا، امت مسلمہ اب اس قابل ہوگئی تھی کہ اہل عرب کے جبر واستبداد کا بے جگری سے مقابلہ کر کے اس کا استیصال کردے۔''

مزید لکھتی ہیں:

''قرآن نے مدنی مسلمانوں کو جہاد پر برانگیختہ کیا جس کا مطلب لڑنا مرنا اور خون بہانا ہوسکتا ہے۔ج،ھ،د کے مادے میں ''مقدس جنگ'' سے بھی وسیع معنی ہیں اور یہ جسمانی، اخلاقی، روحانی اور ذہنی ہر طرح کی جدوجہد کا نام ہے۔عربی زبان میں حرب، سریہ، معرکہ اور قتال جیسے بہت سے الفاظ مسلح جنگ کے لئے مستعمل ہیں اور اگر مقصود خونریزی ہوتا تو قرآن ان الفاظ کو بآسانی استعمال کرسکتا تھا۔

جہاد دین کے پانچ ستونوں میں سے نہیں ہے جیسا کہ مغرب میں سمجھا جاتا ہے بلکہ

مسلمانوں پر ایک ایسے فریضے کے طور پر عائد کیا گیا ہے کہ وہ کارزار حیات کے تمام محاذوں پر بالکل چوکس رہیں تا کہ ایک منصفانہ، فلاحی اور خوشگوار معاشرے کی تشکیل کی جاسکے جس میں بے سہارا اور مفلوک الحال لوگوں کا استحصال نہ ہو سکے۔''①

(۲) ایک یورپی سیرت نگار مسٹر باڈلے رقمطراز ہیں:

''اسلام کے نظریہ جہاد پر (بعض غیر مسلم) سیرت نگاروں نے طرح طرح کے اعتراضات کیے ہیں اور خیال ظاہر کیا ہے کہ مذہبی جنگ (جہاد) کی تبلیغ سب سے پہلے آپ ﷺ نے ہی کی ہے۔ معترضین یہ کہتے ہوئے درحقیقت ازمنہ قدیم کی اُن جنگوں کو بھول جاتے ہیں جن کا حقیقی یا ثانوی محرک مذہبی جذبہ ہی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (عمالقیوں، اموریوں، حتیوں، حویوں اور کنعانیوں کے خلاف) کئی علاقوں میں جنگیں لڑیں۔ یہ علاقے اہل قریش سے مسلمانوں کی ہونے والی لڑائیوں کے مقامات سے زیادہ دور نہ تھے اسرائیلی بادشاہوں نے تو مذہب کے نام پر جنگیں لڑنے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں کیا ان مذہبی جنگوں میں اس قدر قتل عام ہوا کہ غزواتِ رسول ﷺ میں مرنے اور زخمی ہونے والوں کی تعداد اُن کے مقابلے میں ایسی نظر آتی ہے جیسے فٹ بال کے میدان میں دو ایک حادثے ہو جائیں۔''②

(۳) علامہ اقبال رحمہ اللہ کے استاد مشہور مسیحی مؤرخ و محقق پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ اپنی مشہور زمانہ کتاب The Preaching of Islam (دعوتِ اسلام) میں جا بجا تلوار کے ذریعے اسلام پھیلانے کا رد کیا ہے چنانچہ شروع میں ہی لکھتے ہیں: اسلام ابتدا ہی سے نظریے اور عمل دونوں اعتبار سے ایک تبلیغی مذہب رہا ہے چنانچہ رسول خدا ﷺ کی

---

① Muhammad A Biography of the Prophet by Karen Armstrong P.164. US edition, Harper San Francisco, 1992.

② The Messenger' از' آر وی سی باڈلے اُردو ترجمہ الرسول ﷺ مترجم ڈاکٹر ایم۔ ایس۔ ناز، طبع مکتبہ عالیہ لاہور، ص ۲۲۵۔

سیرت مقدسہ اس کی روشن مثال ہے اور آپ ﷺ خود مبلغین اسلام کے اس طویل سلسلے کے سرخیل ہیں جنہوں نے کفار کے دلوں میں اپنے دین کے لیے راہ پیدا کر لی ہے۔ اگر اسلام کے تبلیغی جوش کا ثبوت تلاش کرنا ہو تو اسے کسی جابر شخص کی ایذا رسانی یا متعصب آدمی کے غیظ و غضب میں ڈھونڈنا عبث ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان مجاہد کی اس خیالی تصور کا بھی حقیقت سے دور کا واسطہ نہیں جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں قرآن دکھایا گیا ہے۔ اسلامی فتوحات کی یہ غلط توجیہہ اور تاویل اس مفروضے پر مبنی ہے کہ وہ جنگیں، جو دراصل کفار کے ملکوں میں اسلامی حکومت و سطوت قائم کرنے کے لیے لڑی گئی تھیں، ان سے غیر مسلموں کا تبدیل مذہب مقصود تھا۔ گولڈ زیہر (یہودی مستشرق) نے سلطنت اسلام کی توسیع اور مذہب اسلام کی تبلیغ کے درمیان بہت خوبی سے تمیز کر دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''حضرت محمد ﷺ نے دیار عرب میں کفار کے ساتھ جو محاربہ کیا اور اپنے پیروکاروں کو بھی وصیت کی، اس میں انہوں نے کفار کو مسلمان بنانے پر اتنا زور نہیں دیا جتنا اس بات پر کہ ان کو اپنے دائرہ حکومت میں داخل کیا جائے جو بالفاظ دیگر حکومت الٰہیہ تھی۔ لہٰذا صدر اسلام کی اسلامی فتوحات کے دوران بھی مسلمان مجاہدین کا مقصد اولیں یہ نہیں تھا کہ غیر مذاہب کے لوگوں کو مسلمان بنایا جائے بلکہ ان کی غرض و غایت یہ تھی کہ ان کو اسلامی حکومت کے زیر نگیں کیا جائے۔'' اسلام کی حقیقی روح کا مظہر وہ مسلمان مبلغ اور تاجر ہیں جنہوں نے اپنے دین کو نہایت خاموشی کے ساتھ دنیا کے ہر خطے میں پہنچایا ہے۔ تبلیغ دین کے یہ طریقے صرف اسی زمانے میں استعمال نہیں کیے گئے جب کہ سیاسی حالات نے جبر و اکراہ کے استعمال کو ناممکن یا خلاف مصلحت بنا دیا تھا۔ (1)

---

(1) دعوتِ اسلام ص 18-19۔

(۴) دوسری جگہ یہی سکالر لکھتے ہیں: تبلیغ اسلام کی کوئی تاریخ اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جس تک اس میں جہاد کا ذکر نہ آئے جس کا ترجمہ بالعموم مذہبی لڑائی سے کیا جاتا ہے۔ جہاد کا تذکرہ اس وجہ سے ضروری ہے کہ اسلام کے متعلق عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ تلوار کے زور پر پھیلا ہے اور ایک سچے مسلمان مبلغ کی تصویر یوں کھینچی جاتی ہے کہ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور دوسرے میں قرآن۔ وہ غیر مسلموں سے کہتا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک چیز کو اختیار کرلو۔ اگر اشاعت اسلام کی توجیہہ اس طور پر کی جائے تو جیسا کہ پچھلے صفحات سے ظاہر ہوتا ہے، اس قسم کا بیان ناکافی ہوگا۔ اب اس بات کی تحقیق کرنا باقی ہے کہ آیا قرآن کسی شخص کے مذہب کو جبراً تبدیل کرنے کی اجازت دیتا ہے اور کیا وہ مومنوں کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ مسلح ہوکر نکلیں اور جنگ وجدال کرکے دین پھیلائیں۔

قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت موجود نہیں ہے جس میں کسی طرح جبری تبدیل مذہب کا حکم دیا گیا ہو بلکہ اس کے برعکس بہت سی آیات ہیں جن میں تبلیغی سرگرمی کو محض وعظ و نصیحت اور ترغیب دہی تک محدود رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مصنفوں کی طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن کی کسی آیت سے یہ حکم نہیں نکلتا کہ کافروں پر ازخود بغیر کسی انگیخت کے حملہ کیا جائے لہٰذا اس تعلیم وتلقین کی رو سے رسول اللہ ﷺ کی تمام لڑائیاں دفاعی تھیں۔۔۔۔۔ (جہاں تک مجھے معلوم ہے) اسلام میں جبراً مسلمان کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ غیر مسلم لوگ جزیہ ادا کرکے اپنے مذہب پر کاربند رہ سکتے ہیں۔ [1]

---

[1] دعوتِ اسلام ص401، 406۔

(۵) ہندو سیرت نگار سوامی لکشمن پرساد نے یوں لکھا:

''گلشن اسلام کے گلہائے رنگارنگ کی رنگینیوں میں ان مظلوم سرفروشان توحید کے خون کی جھلک موجود ہے جنہوں نے حفاظتِ دین کے لئے اپنی گردنیں بے دریغ کٹائیں مگر یہ قطعی غلط ہے کہ مسلمانوں کو خونریزی اور جنگ وجدال سے کوئی دلی ذوق وشوق اور قلبی ربط وضبط تھا۔ تاریخ اقوام میں بعض لمحات ایسے آتے ہیں جب ان کے لئے خونریزی ناگزیر ہو جاتی ہے اور اس وقت جان دینے سے جان چرانا ایک قسم کا گناہ کبیرہ بن جاتا ہے۔ مسلمان بھی ایسی ہی آزمائش سے دوچار تھے جب تلوار ہاتھ میں لینا ان کا اہم ترین فریضہ بن گیا تھا۔ وہ اپنے سینوں میں ایک دردمند دل رکھتے تھے جس میں حیات انسانی کی ہیچ سامانی کا خیال بھی جاگزیں نہیں تھا ان کی قدرشناس اور حقیقت پسند نگاہوں میں انسانی خون کا ہر قطرہ مقدس تھا وہ اپنے دشمنوں کو بھی خاک وخون میں تڑپتا دیکھنے کے روادار نہ تھے لیکن اس وقت جبکہ فرعونیت اور نمرودیت اپنی شیطانی قوتوں سے مذہب واخلاق کے بلندترین اصولوں کو صفحہ دنیا سے نیست و نابود کردینے پر تلی ہوئی تھی تو وہ اپنے خون کے ہر قطرہ کو آب شور کی ایک بوند سے بھی کم قیمت سمجھنے لگے تھے۔ اب وہ اس ناگزیر خونریزی کو گلشن اسلام کی آبیاری کے لئے ضروری خیال کرتے تھے۔ یہ وہ نشتر تھا جس کی نوک سے وہ سرکش اور فرعون مزاج دشمنان سوار کی رگ حیات سے فاسد خون نکال دینا چاہتے تھے۔''[1]

---

[1] عرب کا چاند' از سوامی لکشمن پرساد' ص ۳۱۲۔۳۱۳۔

# پیغمبر اسلام ﷺ اور یہود مدینہ

اسلامی نظریہ جہاد و قتال کے ضمن میں غیر مسلم ناقدین کی طرف سے ایک اعتراض یہ بھی ہوتا ہے کہ یہودی مدینہ میں کئی صدیوں سے رہائش پزیر تھے لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے باہر سے آکر وہاں قبضہ کیا اور انہیں ختم کیا اور جو بچ گئے انہیں جلاوطن کر دیا، آیئے اس کی حقیقت جانتے ہیں۔

ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کا واسطہ ایک آسمانی مذہب کو ماننے والوں سے پڑا۔ جنہیں قرآن مجید میں ''اہل کتاب'' اور ''یہود'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔

گو وہ دین الٰہی کا حلیہ تحریفات کے ذریعے بدل چکے تھے، مگر پھر بھی بت پرستوں کی بانسبت مسلمانوں کے زیادہ قریب تھے۔ اسی وجہ سے متعدد اسلامی قوانین میں ان کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا، جو مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کا رویہ ان کے ساتھ نہایت مشفقانہ رہا، حتی کہ جن امور میں وحی الٰہی سے راہنمائی نہ ملی ہوتی تو آپ ﷺ اہل کتاب کی بات کو مدّ نظر رکھتے۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ کو انہیں پیغامِ الٰہی پہنچانے کے لیے یہ طریقہ اپنانے کا کہا گیا:

قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡکِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشۡرِکَ بِهٖ شَیۡـًٔا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ۔

''اے پیغمبر ﷺ کہہ دیجیے! ''اے اہل کتاب ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک بھی نہ بنائیں۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی ربّ بنالیں''۔ پس اگر وہ روگردانی کریں تو تم گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔''[1]

---

[1] آل عمران ۳:۶۴۔

ایک اور جگہ اس طرح فرمایا:

وَلَا تُجَادِلُوٓا اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ اِلَّا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ وَقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَاُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمۡ وَاحِدٌ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ۔

''اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے ___ سوائے اُن لوگوں کے جو اُن میں سے ظالم ہوں ___ اور اُن سے کہو کہ ''ہم ایمان لائے ہیں اُس چیز پر جو ہماری طرف بھیجی گئی ہے اور اُس چیز پر بھی جو تمہاری طرف بھیجی گئی تھی، ہمارا اللہ اور تمہارا اللہ ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔''[1]

انہی ہدایاتِ ربّانیہ کے تحت یہود مدینہ کو اسلام لانے کی دعوت دی گئی۔ لیکن محض حسد و بغض سرِ تسلیم خم کرنے میں آڑے آیا۔ حالانکہ وہ لوگ نبی کے منتظر تھے اور اسی سبب ان کے آباء واجداد یثرب (مدینہ) میں آکر آباد ہوئے تھے۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے حتی الامکان یہ کوشش کی کہ اہل کتاب کے ساتھ تعلقات پرامن اور خوشگوار رہیں۔ اس کی واضح مثال ''میثاق مدینہ'' ہے۔

اس دستاویز کے مطابق مدینہ کے ہر باسی کو اپنے اپنے عقیدے پر قائم رہنے کی آزادی تھی۔ اور اس کی مزید شقیں یہ تھیں کہ شہر پر حملہ آور ہونے والوں کے خلاف مدینہ کے تمام باسی اکٹھے دفاع کریں گے اور جنگ پر اٹھنے والے تمام اخراجات فریقین (مسلمان اور یہود) برداشت کریں گے، قریش مکہ کی کسی قسم کی حمایت نہیں کی جائے گی۔ وغیرہ وغیرہ

یہ دستاویز انصاف ومساوات کی منہ بولتی تصویر تھی۔ اس پر اتفاق رائے بھی ہوا۔ کیونکہ اس کی کوئی شق بھی یہودیوں کے خلاف نہ جاتی تھی۔ بلکہ خلاف جانا تو درکنار، یہ دستاویز ان کے حقوق کی محافظ تھی۔

شروع میں اس دستاویز کی پابندی بھی کی گئی۔ لیکن پیغمبر اسلام ﷺ چونکہ بنو اسماعیل سے ظہور پذیر ہوئے تھے، لہٰذا ان کے دلوں میں پیدا ہونے والی کدورت زیادہ دیر پوشیدہ نہ رہ سکی۔ بالخصوص بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف تحویل قبلہ پر یہ بہت سیخ پا ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآنِ حکیم یہودیوں کو ان کی گمراہیوں اور بداعمالیوں پر تنبیہ کرتا گیا اور ان کے

---

[1] العنکبوت ۲۹:۴۶۔

رویے میں تبدیلی آنا شروع ہوگئی۔ چنانچہ انہوں نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔ مدینہ کے داخلی حالات کو پرامن رہنے دیا، نہ خارجی حالات کے حوالہ سے سازباز کرنے سے باز رہے۔ جو دستاویز کی کھلی بغاوت تھی۔

اہل یہود اپنے تمام وسائل، مسلمانوں کے خلاف بروئے کار لاتے رہے۔ حتی کہ اشعار میں بھی (قدبدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر) کے مصداق بنے۔ اور انفرادی سطح سے لے کر اجتماعی سطح تک لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتے رہے۔ سو اس کام میں پیشروؤں عصماء بنت مروان، ابوعفک اور کعب بن اشرف کو قتل کیا گیا۔ منٹگمری واٹ نے لکھا ہے:

"Asma bint Marwan....... composed verses taunting and insulting some of Muslims ...., the Chief Point was that the persons addressed were dishonouring themselves by submitting to a stranger not of their blood."

''عصماء بنت مروان اپنے شعروں میں بعض مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتی اور ان کی بے عزتی کرتی تھی۔ جس بات پر وہ ان کو برا بھلا کہتی تھی، وہ بات یہ تھی کہ انہوں نے ایک اجنبی کو جوان کی نسل سے نہیں، اپنا حاکم بنا کر، اپنی توہین کی ہے۔''[1]

ابوعفک کے متعلق لکھا ہے:

"Abu Afak had taunted his hearness with allowing an outsider to control their affairs."

''ابوعفک اپنے سامعین کو طعنے دیتا تھا کہ انہوں نے اپنے معاملات ایک اجنبی کے حوالے کردیئے ہیں۔''[2]

کعب بن اشرف جنگ بدر کے بعد مکہ گیا۔ اور کفارِ مکہ سے تعزیت کے مرثیے کہنے اور انہیں مسلمانوں سے انتقام لینے پر ابھارا۔ یہ کام اس نے اپنی شاعری سے بھی لیا۔ اس نے مدینہ واپس آکر آنحضرت ﷺ کی ہجو میں برملا اشعار کہے۔ لوگوں کو پیغمبر امن ﷺ کیخلاف ابھارا اور اپنے قصائد میں مسلمان خواتین کی عزت وناموس پر ناپاک حملے شروع کردیئے۔ حتی کہ غیر بھی اس زیادتی وتعدّی کے معترف ہوئے۔ چنانچہ معروف مستشرق ٹار آنڈرے رقمطراز ہے:

---

[1] محمد ایٹ مدینہ ص178 ایڈیشن Oxford 1956ء۔ [2] محمد ایٹ مدینہ ص179 ایڈیشن Oxford 1956ء۔

"This was the poet Ka,b ibn Al-Ashraf, after the battle of Badr, had the audacity to go to Mecca, where the sought to incite the Quraish to revenge by this sarcastic poems."

''یہ شاعر کعب بن اشرف ہی تھا جو جنگ بدر کے بعد جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مکہ گیا، جہاں اس نے ہجو پر مبنی قصیدوں کے ذریعے قریش کو انتقام لینے پر برانگیختہ کیا۔''[1]

منٹگمری واٹ لکھتے ہیں:

"When he heard the news of Badr, he set out for Mecca, and by his verses helped to rouse the Meccans to greif and anger and the desire for revenge."

''جب اس نے میدان بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کی خبر سنی تو وہ مکے روانہ ہوا۔ اور اس نے اپنی شاعری کے ذریعے اہل مکہ کو برانگیختہ کیا اور انتقام پر ابھارا۔''[2]

بلکہ دشمنی اور تعصب میں وہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ایک دفعہ پیغمبر اسلام ﷺ کو دعوت کی آڑ میں قتل کرنے کی بھی کوشش کی۔ چنانچہ ان جرائم کے سبب اسے خفیہ طور پر قتل کروا دیا گیا۔[3]

ابورافع سلام بن ابی الحقیق کا معاملہ بھی کعب بن اشرف سے مختلف نہ تھا۔ وہ بھی پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف دشمنوں کی مدد کرتا اور ان کی ہجو کرتا۔ چنانچہ امن کی لکڑی میں اس دیمک کو بھی خفیہ طور پر ختم کروادیا گیا۔''[4]

---

[1] ''محمد دی مین اینڈ ہز فیتھ'' صفحہ 147، بحوالہ عالمی السیرۃ ۱۹/ ۳۴۵۔ [2] ''محمد ایٹ مدینہ'' صفحہ 18۔ ایضاً

[3] فتح الباری طبع بیروت، ص ۳۳۷ تا ۳۴۰، جلد ۷۔

[4] صحیح البخاری، کتاب المغازی باب قتل ابی رافع، رقم الحدیث ۴۵۳۹۔

پیر کرم شاہ صاحب الازہری (مرحوم) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ قبیلہ بنونضیر کا سردار تھا۔ اس قبیلے کو بغاوت کے جرم پر قتل کی سزا نہیں دی گئی تھی بلکہ اس جرم کی سزا انہیں یہ دی گئی تھی کہ وہ مدینہ طیبہ سے نکل جائیں۔ اپنا مال اسباب ساتھ لے جانے کی ان کو اجازت دی گئی تھی۔ انہوں نے خیبر میں ڈیرے ڈال دیئے تھے اور مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں شروع کر دی تھیں۔ سلام بن ابی الحقیق ان لوگوں میں سے تھا، جن کی کوششوں اور ترغیب سے مکہ کے قریش اور عرب کے دیگر قبائل نے ایک لشکر جرار کے ساتھ مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی تھی اور مسلسل کئی روز تک مدینہ کا محاصرہ کئے رکھا تھا۔ یہ لشکر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے مدینہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ سلام بن ابی الحقیق نے جنگ خندق میں لشکر کفار کی عبرت ناک شکست کے بعد بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی معاندانہ کارروائیاں جاری رکھیں اور قبائل عرب کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بھڑکاتا رہا۔ اس کی یہ کارروائیاں ریاست مدینہ کے خلاف کھلم کھلا اعلان جنگ تھیں۔ اور جو دشمن مسلمانوں کے خلاف جنگ کرتا ہے، مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ بھی اس کے خلاف جنگ کریں۔ حضور ﷺ نے اس کی پوری قوم پر عام حملہ کرنے کی بجائے چند صحابہ کرام کو بھیج کر اس بدبخت کو قتل کروا دیا، تاکہ زیادہ خون خرابہ نہ ہو۔ سلام بن ابی الحقیق نے خود جو راستہ اپنایا تھا اس کا انجام وہی ہو سکتا تھا جو ہوا۔ مجرم کو جرم کی سزا ملے تو اس انجام کا ذمہ دار وہ خود ہوتا ہے، نہ کہ اس کے خلاف قانونی کارروائی کرنے والے۔''[1]

رگِ جان سے بھی قریب ربّ نے اس دور اندیش پیامبر کے سردارانِ یہود کو خفیہ کارروائی سے قتل کرنے میں دوررس نتائج رکھے تھے۔ کیونکہ کسی کے کرتا دھرتا کو کھلے عام قتل کرنے میں

[1] ضیاء النبی، ص ۶۰۹، جلد ۷۔

سخت بدامنی کا خطرہ ہوتا ہے۔ جس کی صورت کئی جانوں اور مالی نقصان پر منتج ہوتی ہے۔ سو پیغمبر امن ﷺ نے اس نوعیت کی کاروائیوں کو مخفی رکھا۔ تاکہ اصل مقصود فوت نہ ہو۔ یعنی ''پر امن معاشرہ''۔ معروف مستشرق لین پُول (Lane Poole) کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے، جو اس پر خوب روشنی ڈالتا ہے:

"The reason is almost too obvious to need explanation. As there was no police, or law-court, or even court martials, at Medina, some of the followers of Muhammad had therefore to be the executor of the death dentence, and it was better. This should be done quietly, as the execution of a man openly before his clan would have caused a brawl and more bloodshed and retaliation, till the whole city would have become mixed up in quarrel. If secret assasinations is the word for such deeds, secret assasinations was the necessary part of the internal government of Medina."[1]

''اس کی وجہ اس قدر واضح ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ چونکہ مدینے میں نہ کوئی پولیس تھی، نہ عام قانونی عدالتیں اور نہ ہی فوجی عدالتیں، اس وجہ سے محمد ﷺ کے کچھ پیروکاروں کو ہی سزائے موت نافذ کرنا پڑتی تھی اور یہی بہتر تھا۔ یہ کام خاموشی سے انجام پانا چاہیے تھا، کیونکہ کسی شخص کو اس کے قبیلے کے سامنے سرعام سزائے موت دینا زیادہ نزاع، خون ریزی اور انتقام کا باعث بنتا، حتی کہ پورا شہر اس میں ملوث ہو جاتا۔ اگر اس طرح کی کاروائیوں کو خفیہ قتل کا نام دیا جائے تو خفیہ قتل مدینے کے اندرونی نظام حکومت کا ایک لازمی حصہ تھا۔''

---

[1] Studies in a Mosquoo by Stanley Lane Poole Page No. 69. Edition London 1883.

پیر کرم شاہ صاحب الازہری (مرحوم) ان تمام واقعات کا خلاصہ یوں بیان کرتے ہیں:

''ان میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جس میں کسی شخص کو محض اس وجہ سے قتل کیا گیا ہو کہ وہ اسلام کی تکذیب کرتا تھا اور دلائل کے زور سے اسلام کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ تمام لوگ جو مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اپنے سابقہ ادیان پر قائم تھے، وہ سب اسلام کی تکذیب کرتے تھے اور دلائل کے زور پر اسلام کی مخالفت کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے ایسے تمام لوگوں کے خلاف نظریاتی جنگ لڑی، آپ نے ان کے خلاف طاقت استعمال نہیں کی۔ کیونکہ اگر آپ نظریاتی اختلافات کے تصفیے کے لیے طاقت استعمال کرتے تو یہ بات اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوتی اور دعوت اسلامی کو اس سے فائدہ پہنچنے کی بجائے نقصان پہنچتا۔

جن لوگوں کے خلاف کاروائی کی گئی، وہ اسلام کے نظریاتی مخالف تو ابتدا ہی سے تھے۔ لیکن اس مخالفت کے باوجود حضور ﷺ نے انہیں ریاست مدینہ کا آزاد شہری قرار دیا تھا اور ان کے تمام حقوق کی حفاظت کی ضمانت بھی دی تھی۔ انہیں اسلام کی نظریاتی مخالفت کی سزا نہیں ملی تھی بلکہ انہیں جس جرم کی سزا ملی تھی وہ جرم یہ تھا کہ انہوں نے نہ صرف شہری امن و امان کو خطرے میں ڈالنے کی سازشیں کی تھیں بلکہ انہوں نے مدینہ کی نوزائیدہ ریاست کو تباہ و برباد کرنے کے لیے مسلمانوں کے ان دشمنوں سے ساز باز بھی کی تھی جو ہر قیمت پر اس ریاست کو ختم کرنا چاہتے تھے اور کئی بار مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہو چکے تھے۔

کوئی شخص جو عالم خواب میں نہیں بلکہ حقیقت کی دنیا میں رہتا ہو، وہ تسلیم کرے گا کہ ریاست کے امن و سلامتی کی خاطر اس قسم کے خطرناک عناصر کا خاتمہ ضروری تھا۔ اور

یہی کچھ مسلمانوں نے کیا۔ مسلمانوں کا یہ عمل کسی بھی مہذب معاشرے کے معیار کے مطابق معیوب قرار نہیں جا سکتا۔''[1]

## قبائل یہود:

یہودیوں کی انفرادی طور پر کاروائیوں کے متعلق آپ نے جان لیا۔ اب یہ بات رہ گئی کہ اجتماعی اعتبار سے یہودی قبیلوں نے کیا غلطی کی کہ جس کی بنا پر وہ سخت سزا کے سزاوار ہوئے، سو اس حوالہ سے ذہن نشین رہے کہ مدینہ طیبہ میں تین یہودی قبائل آباد تھے؛ بنونضیر، بنوقینقاع، بنوقریظہ۔

یہ سب قبائل ''میثاق مدینہ'' میں شریک تھے، لہٰذا یہ اس بات کے مکلّف تھے کہ مدینہ کا امن وامان نا صرف بحال رکھیں بلکہ اس سلسلہ میں معاون بھی ثابت ہوں۔ لیکن۔۔۔

اجتماعی لحاظ سے بھی انہوں نے وہی غلطیاں کیں جو انفرادی حیثیت میں (کعب بن اشرف وغیرہ) کر چلے تھے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے بعد ان کا حسد وبغض بے نکیل ہو گیا۔ حتی کہ بنوقینقاع نے واضح الفاظ میں کہنا شروع کر دیا کہ ''ہمارا اور مسلمانوں کا اب کوئی معاہدہ نہیں۔'' یہ صورت حال مدینہ کی امن وسلامتی کے پرسکون سکوت میں ایک چیخ تھی۔ چنانچہ پیغمبرِ امن وسلامتی ﷺ انہیں سمجھانے کی خاطر ان کے بازار میں تشریف لے گئے۔ آپؐ کے نرم رویے کے جواب میں انہوں نے کہا:

''اے محمد ﷺ! تم ہمیں بھی اپنی قوم کی طرح سمجھتے ہو؟ اس قوم کو شکست دے کر جنہیں فن حرب کا کچھ علم نہ تھا، تم مغرور نہ ہو جانا! اگر ہم تمہارے مقابلے میں آئے تو تمہیں پتا چل جائے گا کہ ہم کس قسم کے لوگ ہیں۔''[2]

یہ ایک واضح اعلانِ جنگ تھا، لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے اس کے باوجود بھی حالات کو

---

[1] ضیاء النبی، جلد ۷، ص ۶۱۰ تا ۶۱۱۔ [2] سنن ابوداوٗد رقم الحدیث ۳۰۰۱، تفسیر طبری ۳/ ۱۲۸۔

بگڑنے سے بچانا چاہا اور خاموشی سے چل دیئے۔ لیکن اس خاموشی کو کمزوری سے تعبیر کیا گیا۔ یہی ''تعبیر کی غلطی'' ان کی رسوائی پر منتج ہوئی؛

ایک مسلم خاتون ان کے بازار میں کسی کام کے لیے گئی، تو ایک یہودی نے اسے چہرہ کھولنے کا کہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ پھر اس یہودی نے ایک ایسی شرارت کی کہ اس خاتون کا ستر کھل گیا۔ اور ارد گرد کھڑے تمام یہودی قہقہے لگانے لگے۔ جن لوگوں کے ہاں غیرت کی کوئی قیمت ہوتی ہے۔ ان کے لیے تلواروں کے بے نیام ہونے کا اس سے بڑا سبب نہیں ہوتا۔ وہاں بھی یہی کچھ ہوا لہٰذا ایک غیرت مند مسلمان جو وہاں موجود تھا، اسے علم ہوا تو اس نے یہودی کو قتل کر ڈالا۔ یہودیوں نے جوابی حملہ کر کے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔

اس کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ کے لیے ممکن نہ تھا کہ انہیں مزید مہلت دیتے۔ سو ان کی بستی کا محاصرہ کیا گیا۔ لیکن صرف ایک دن میں ہی (ہم کس قسم کے لوگ ہیں) کا دعویٰ ریت کی دیوار ثابت ہوا۔ حالانکہ ان کے جنگجوؤں کی تعداد سات سو تھی۔ پھر انہوں نے خود ہی درخواست کی کہ ہمیں مدینہ سے زندہ سلامت نکل جانے دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ درخواست منظور کی اور انہیں تین دن کی مہلت دی۔ سو وہ اپنی عورتوں اور بچوں سمیت چلتے بنے۔

بنو قینقاع کو جو سزا ملی، وہ ان کے جرائم کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھی۔ اگر ان کا واسطہ کسی دنیا پرست حکمران سے ہوتا تو ان کا انجام بڑا عبرتناک ہوتا۔ یہ تو مقدس رسول تھا جو رحمۃ للعالمین سے ملقب تھا۔ جہانوں کے لیے رحمت ہی تھی کہ انہیں انتہائی شنیع جرائم کی بالکل معمولی سزا ملی۔

باقی ماندہ دو قبیلے اپنے حسد و بغض کو چھپانے میں کامیاب رہے۔ لہٰذا ان سے تعرض نہ کیا گیا۔ جنگ احد میں مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا اور اس کے بعد رجیع اور بئر معونہ کے واقعات

رونما ہوئے، جن سے مسلمانوں پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ بنونضیر کو خیال گزرا کہ مسلمانوں میں اب وہ دم خم باقی نہیں رہا جو بدر کے موقع پر تھا۔ لہٰذا انہوں نے بھی اعلانیہ ''میثاق مدینہ'' کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ کو دو دفعہ شہید کرنے کی بھی سازش کی۔ لہٰذا ان کے خلاف بھی کاروائی کرنا ضروری ہو گیا۔ تاکہ امنِ مدینہ برقرار رکھا جا سکے۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ نے اوّلاً تو انہیں مدینہ آنے کا پیغام بلا بھیجا لیکن وہ قلعوں کی مضبوطی پر تکیہ کیے بیٹھے تھے اور منافقین نے بھی اس پر انہیں شہ دی، چنانچہ وہ مسلمانوں کے خلاف مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے۔ لہٰذا پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔

انہیں جب کسی طرف سے مدد نہ ملی اور شکست سامنے نظر آئی تو انہوں نے ملک بدر والی بات میں ہی عافیت جانی۔ لیکن چونکہ وہ لڑائی کا راستہ، اس سے قبل اختیار کر چکے تھے، اس لیے ساتھ یہ بھی شرط عائد کی گئی کہ وہ اسلحہ ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ اور مال و متاع اتنا ہی لے جانے کی اجازت مرحمت کی گئی کہ جتنا وہ اونٹوں پر لاد سکیں۔ انہوں نے فوراً ان شرائط کو تسلیم کیا اور مدینہ سے چلے گئے۔

باقی بنوقریظہ رہ گئے تھے اور یہ یہودیوں کا طاقت ور قبیلہ تھا۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے میں وہ بھی دوسرے دو قبیلوں سے پیچھے نہیں رہا چنانچہ جنگ بدر میں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف قریش مکہ کو اسلحہ سپلائی کیا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر، جب قبائلِ عرب نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا___ جسے ''جنگ خندق'' کا نام دیا گیا___ تو انہوں نے پھر معاہدے کی خلاف ورزی کی اور بنونضیر کے سردار حیی بن اخطب کے بہکاوے میں آ کر بغاوت کر دی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ مسلمان مختلف اطراف سے گھرے ہوئے ہیں، ان کے بچ نکلنے کا امکان نظر نہیں آتا۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے انہیں معاہدہ کی پابندی کی یاددہانی کروائی تو انہوں نے کہا:

''محمد ﷺ کون ہیں؟ ہم ان کی بات نہیں مانیں گے۔ ہمارا ان کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہیں۔''[1]

ان کا یہ قدم مسلمانوں کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ کیونکہ اس نازک صورت حال میں مدینہ طیبہ کا اندرون محفوظ تھا اور نہ بیرونی حالات سازگار تھے۔ مسلمانوں کا لشکر تین ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ اس لشکر کا تیسرا حصہ شہر کی حفاظت پر مامور کر دیا گیا۔

یہودیوں کا عین موقع پر یہ قدم اٹھانا بہت بڑی سازش ہونے میں نوشتہ دیوار ہے، جبکہ عہد شکنی، بے وفائی اور غدّاری کی انتہا بھی۔ نصرتِ الٰہی نے بھی بروقت اپنا کام دکھایا لہٰذا عرب قبائل بیس دن کے محاصرہ کے بعد بوریہ بستر گول کر کے چلتے بنے۔

بیرونی حالات سے نمٹنے کے بعد پیغمبرِ اسلام ﷺ نے اندرونی حالات کی طرف التفات کیا اور بنوقریظہ سے ان کے اس طرزِ عمل کی توجیہ دریافت کی۔ لیکن وہ قلعہ بند ہوکر لڑائی کے لیے تیار ہوگئے۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا، جو پچیس دن تک رہا۔ بالآخر بنوقریظہ تنگ پڑ گئے اور قبیلہ ''اوس'' کی وساطت سے معاملہ سلجھانے لگے۔ چونکہ ان کے ''اوس'' سے دیرینہ مراسم تھے لہٰذا انہوں نے ''اوس'' کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو منصف تسلیم کر لیا کہ وہ جو فیصلہ صادر کریں گے ہم سر تسلیم خم کریں گے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے انہیں قریب قریب وہی فیصلہ سنایا جو وہ اپنے قیدیوں کو سنایا کرتے تھے کہ:

۱ جنگ کے قابل مردوں کو قتل کر دیا جائے۔

۲ عورتیں اور بچے مملوک بنائے جائیں۔

۳ ان کا مال تقسیم کر لیا جائے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ۲/۱۴۱۔

''قریب قریب'' اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے قیدیوں کو اس سے بھی زیادہ سخت سزا دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ بائبل میں ہے:

''موسیٰ علیہ السلام اور ان کے لشکر نے مدیان کے بچوں اور عورتوں کو اسیر کیا۔ ان کے چوپائے، بھیڑ، بکریاں اور مال واسباب سب کچھ لوٹ لیا۔ ان کی سکونت گاہوں کے سب شہروں کو آگ سے پھونک دیا......ان بچوں میں جتنے لڑکے تھے، انہیں قتل کر دیا گیا اور جو خواتین مردوں کا منہ دیکھ چکی تھیں، وہ قتل ہوئیں۔'' [1]

یہودیوں کو ان کے انفرادی اور اجتماعی جرائم کی جو سزائیں دی گئیں، ان کے سرسری سے جائزے سے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ ان میں حضور ﷺ کی عالمین کے لیے رحمت جھلک رہی تھی کیونکہ مجرمین کو جرائم کی بانسبت بہت کم سزا ملی اور انصاف کے تقاضوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے اور مدینہ طیبہ کے امن وسلامتی کی خاطر ان کی نہایت مناسب سرکوبی کی گئی۔ [2]

## غیروں کا اقرار

جان بیگٹ گلب نے یہودیوں کے ساتھ کیے گئے معاملہ پر یوں روشنی ڈالی ہے:

''شام، مصر اور فلسطین کی بہ سرعت فتوحات کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ وہ مفتوح اقوام کے جبری اسلام لانے پر محیط نہیں۔ جیسا کہ قبل ازیں ہم دیکھ چکے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام نے یہودیوں یا عیسائیوں کے جبری قبول اسلام کی حمایت نہیں کی تھی۔ یہود مدینہ کو قتل یا جلاوطن اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ بطور فتنہ پرور قوم کے محمد (ﷺ) کے مشن کی مخالفت پر کمربستہ تھے۔ بہ الفاظ دیگر ان کی مخالفت سیاسی تھی، نہ کہ مذہبی۔ ان کی مکمل تباہی کے بعد اِکادُکا یہود مدینہ میں بطور تاجر رہے تھے۔ مذہب تبدیل کرنے کے لیے ان پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا گیا......قرآن حکیم میں کئی ایسی آیات ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ پیغمبر کا کام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا ہوتا ہے، نہ کہ ان پر جبر کر کے اسلام کی طرف لے آنا۔'' [3]

---

[1] گنتی ۳۱:۷۔۱۷۔ [2] ملخص' از رحمۃ للعالمین ۱/۱۳۳۔۱۳۷ طبع مکتبہ اسلامیہ لاہور، ضیاء النبی ۷/۶۱۱۔۶۱۷ طبع ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، کراچی۔

[3] The life and times of Muhammad by John Beggot Glub P 358 بحوالہ پیغمبر امن ﷺ، ص ۶۵۳۔

کیرن آرمسٹرانگ بنوقریظہ کے ساتھ کیے گئے برتاؤ پر رقمطراز ہے:

''بغاوت جیسا کہ ہم آج بھی سمجھتے ہیں، ایک سنگین جرم ہے اور عرب میں ہر شخص حضرت سعدؓ سے اسی فیصلے کی توقع کرتا تھا۔ قدیم دستاویزات کے مطابق خود بنوقریظہ کو بھی اس فیصلے پر کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی...... یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ بنوقریظہ کے یہودیوں کو مذہبی یا نسلی بنیادوں پر قتل نہیں کیا گیا تھا۔ نخلستان میں آباد دوسرے یہودی قبائل نے اس پر اعتراض نہ کیا اور نہ ہی اس معاملے میں مداخلت کی جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ایک خالص سیاسی اور قبائلی معاملہ تھا۔ بنوقریظہ کے حاشیہ نشین عرب قبیلے بنوقیلہ کے متعدد افراد کو بھی یہودیوں کے ساتھ سزائے موت دی گئی۔۔۔۔۔۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا:

''جو کوئی کسی یہودی یا عیسائی کے ساتھ زیادتی کرتا ہے یا اسے تباہ کرتا ہے، قیامت کے روز مجھے اس کا جواب دینا پڑے گا۔ بنوقریظہ کے مردوں کو بلا جواز قتل نہیں کیا گیا تھا۔ سترہ دوسرے یہودی قبیلے بدستور نخلستان میں موجود اور کئی برسوں تک مسلمانوں کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات قائم رہے۔''

قرآن مجید بھی مسلسل یہ اصرار کرتا رہا ہے کہ مسلمانوں کو اہل کتاب کے ساتھ اپنی روحانی قرابت یاد رکھنی چاہیے:

''اور اہل کتاب کے ساتھ بحث و مباحثہ نہ کرو، مگر اس طریقہ پر سے جو عمدہ ہو۔ مگر ان کے ساتھ جو ان میں ظالم ہیں۔ اور صاف اعلان کردو کہ ہمارا تو اس کتاب پر ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر اتاری گئی۔ ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں۔''[1]

بعد میں اسلامی سلطنتوں میں یہودیوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل رہی۔''[2]

---

[1] العنکبوت ۲۹:۴۶۔ [2] محمد ﷺ پیغمبر عہد رواں ص ۱۳۰۔۱۳۱، کیرن آرمسٹرانگ، طبع ابوذر پبلی کیشنز 241 ڈی جرنلٹس کالونی، لاہور۔